خیابان بہار ۲۰۲۳ء

# ناول "محمد بن قاسم" از نسیم حجازی۔ نو تاریخی قرات

## Neo Critical study of Naseem Hijai's Novel "Muhammad Bin Qasim"

زاہد حسین، پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

ڈاکٹر سمیرا اکبر، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

**ABSTRACT**

"Muhammad Bin Qasim" is famous historic novel penned by Nasim Hijazi [1914-1996] to promote pan-Islamist and patriotic sentiments in readers. The novel is being published repeatedly since its first print in 1950, just three years after creation of Pakistan; and fictionalized early Muslim conquest of India. Since Neo-historicism theory provide strong theocratical base to assess literary text especially historic novels, in this article an attempt is made to analyze the MBQ against the theories. The results show that now in global village, the treatment and style of the novel is of interest to very limited group of readers and its scope for a global text is limited. Moreover, newly established theories and material on the subject indicates towards one sided representation of MBQ which are the distorted form of historical events.

**Key words:** Naseem Hijazi, Muhammad Bin Qasim, Neo Historicism in Urdu; Deconstruction in Urdu

کلیدی الفاظ: نسیم حجازی، محمد بن قاسم، نو تاریخیت، تاریخ، ادب، رد تشکیل

"تاریخ' انسانی وجود کے ساتھ ہی کا مظہر ہے۔ مختلف ادوار میں رویوں کو کنٹرول کو کرنے اور اپنی مرضی کے مطابق بیانیہ پیدا کرنے کے لیے طاقت ور اور چالاک طبقے نے تاریخ کو بھی اپنے قبضے میں رکھا۔ "تاریخ" کیونکہ اپنے عہد کی اس صورت حال کو واضح کرتی ہے جو مورخ عوام پر وضع کرنا چاہ رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح مورخ بھی عام طور پر وہی لکھتا ہے جو اس سے طاقت ور طبقہ لکھواتا ہے۔ اصل منظر نامہ اس وقت کھل کر سامنے آتا ہے جب طاقت ور طبقے کا عہد ختم ہوتا ہے اور دوسرا گروہ بر سر اقتدار آتا ہے۔ پرانی پرتیں پھر سے کھلتی ہیں اور کہا جا سکتا ہے۔ اس طرح تاریخ کی وہ صورت حال سامنے آتی ہے جو قدرے کم کسی کے زیر اثر ہوتی ہے۔ جدید تنقیدی منظر نامے میں جو

"نو نظری مباحث" اپنی شناخت پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے ان میں "نو تاریخیت" ایک اہم نو نظری مباحثہ ہے۔ نو تاریخیت ادبی فن پاروں کے ماضی اور موجودہ سوشل، کلچر اور تاریخی صورت حال کی جراحی کا کام کرتا ہے۔

تاریخ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ ارخ ہے۔ اس کا تعلق باب تفعیل سے ہے۔ فرہنگ آصفیہ میں تاریخ کے معنی کچھ اس طرح درج ہیں:

> ”ا۔ کسی چیز کا وقت۔ ۲۔ کسی امر عظیم کے وقت کا تعین، زمانہ عرصہ ۱۳
> شمسی اور قمری مہینے کا ہر ایک دن۔“(1)

تاریخ کا لفظ انسان کے ساتھ انسان کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے۔ تاریخ ایسا علم ہے جو ہمیں اس کائنات کے اسرار و رموز سمجھنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔ یہ کائنات کیسے بنی؟ کب بنی؟ ان سب سوالات کے جوابات انسان تاریخی شواہد سے ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہے۔ تاریخ کا ایک پہلو تہذیب و ثقافت سے بھی جڑا ہے۔ بنیادی طور پر تاریخ ایک ایسا مختصر مگر جامع لفظ ہے جو وقت کی کبھی صورتوں (جس میں تہذیب اور ثقافت بھی شامل ہیں) کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ تاریخ بطور علم کئی شعبوں سے تعلق رکھتی ہے۔ سائنس کی ذیلی شاخیں طبیعیات، حیاتیات، کیمیا ہو خواہ کچھ بھی ہو، ان سے بھی ہمیں تاریخ کے شواہد لینے پڑتے ہیں۔ جب ہم یہ کہتے تیں کہ یہ تہ میں اتنے سال پرانی ہے یا ہماری کہکشاں اتنے عرصے سے موجود ہے تو دراصل ہم تاریخ پر ہی بات کر رہے ہوتے ہیں۔ اس طرح سے دیکھا جائے تو تاریخ کا علم ام العلوم کہلائے جانے کے لائق ہے۔ واقعہ وقت کا دولہ ہے جو گزر چکا ہے، خواہ اس کا دورانیہ گزشتہ ایک سیکنڈ ہو یا مائیکر و سیکنڈ ہی کیوں نہ ہو۔ اس طرح تاریخ ایسی چیز ہے جو ہر گزرتے ہوئے لمحے کا علم ہے۔ جس طرح بیسویں صدی دیگر علوم و فنون میں حیرت انگیز انکشافات اپنے ساتھ لائی اور علوم ابہام سے نکل کر واضح ہوئے اسی طرح تاریخ کا علم بھی ترقی یافتہ صورت میں ہمارے سامنے آیا جسے تاریخیت کا نام دیا گیا۔ بیسویں صدی کے لوگوں نے علم کو مختلف نئے زاویوں سے دیکھا تو لفظ ”نو“ یعنی جدید کا اضافہ ہو تا گیا۔ تاریخ کو بھی جب جدید زاویہ نظر سے پرکھا اور جانچا گیا تو ”نو تاریخیت“ کا علم وجود میں آیا۔ ادب کا تعلق انسانی زندگی سے ہے۔ کسی بھی زبان کا ادب اس کی ثقافت، تہذیب، زمان و مکان کا عکاس ہوتا ہے۔ کیوں کہ ادب کوئی ایسی چیز نہیں جو خلا میں پیدا ہو رہا ہو۔ تاریخ کیوں کہ وقت، تہذیب، ثقافت بھی چیزوں کو اپنے گھیرے میں لے لیتی ہے، اس لیے ادب دراصل

تاریخ ہے۔ جب ارسطو ادب کو نقالی کہتا ہے دراصل اس میں یہ پہلو پوشیدہ ہے کہ تاریخ کو ادب اپنے اندر سموتا ہے اور اسے دہراتا رہتا ہے۔ ادب کو نئے تناظر میں دیکھنا اور متون کو سمجھتا ادب میں "نو تاریخیت" ہے۔ نو تاریخیت کا ادب پر پہلی مرتبہ اسٹیفن گرین ملیات نے اطلاق کیا۔ اس نے پہلی مرتبہ ادب کو پرانے اور نئے سابق تناظر میں دیکھا۔ دو عالمی جنگوں اور نو آبادیات نے تاریخ کے پرانے خیالات کو تبدیل کیا۔ اسی طرح ادب کے متن کو بھی الگ الگ سماجی اکائیوں میں دیکھا جانے لگا۔ جس طرح انسانی تہذیب و تمدن چند انسانوں کی ذہنی ریاضت اور شعوری کاوشوں کا نتیجہ ہے اور وقت کی رفتار سے اس میں تبدیلی آئی ہے، ایسا ہی کچھ ادب کے ساتھ بھی ہوا ہے۔ مارکسی نظریات اور ساختیات نے ادب کو کلچر کے بہت قریب کر دیا اور ایسا نظر آنے لگا کہ معمولی فرق کے ساتھ مذکورہ بھی چیزیں ایک پہلو کے مختلف نام ہیں۔ اس طرح سماج، تاریخ اور ادب کا رشتہ انتہائی مضبوط اور گہرا ہوتا گیا۔ ہے۔ ایم گین کا کہنا ہے:

> "The core of new historicism centrally concerns with the relationship between history and texts. The commonality between historical and literary text is new historicism."
>
> (2)

ادب کے سب ہی بیانیے اور مہابیانیے کیوں کہ چھوٹے چھوٹے واقعات کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں اس لیے نو تاریخیت کسی بیانیے کو سمجھنے اور اس کی بازیافت میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ نو تاریخیت بہت سے قدیم بیانیوں کے رد کے ساتھ ساتھ بہت سے مجھے بیانیوں کی تشریح و توضیح میں بھی مددگار ثابت ہوتی ہے۔ اس طرح تاریخ ہمیں مختلف حالات و واقعات کی تصویر ہر ایک زاویے سے دکھاتی ہے۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیز رقم طراز ہیں کہ:

> "مطالعہ تاریخ بالعموم دو رنگ اختیار کرتا ہے۔ یا تو عمومی تاریخی عمل کو سمجھنے اور تاریخ کے آہنگ کو دریافت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یا پھر تاریخی بیانیے کے اسالیب اور مطالعاتی حکمت عملیوں کا تحقیدی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ مطالعے کے یہ دونوں رخ تاریخ کی ماہیت اور قدر مرتب کرتے ہیں۔ جسے تاریخیت بروئے کار لاتی ہے۔ یہ بات بطور

> خاص پیش نظر ہے کہ تار مخیت، تاریخ سے الگ نہیں ہے مگر تاریخ کے مسادی بھی نہیں ہے۔'(3)

سماج کو سمجھنا، ساختیات کے نظریات کی وضاحت نو تاریخیت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ یہ بھی نظریات ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ آج کے عہد میں متون کو سمجھنے کے لیے نو تاریخیت کی اہمیت کو کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کے مطابق:

> "چناں چہ ادب کے تناظر میں نشانیات (ساختیات) اس اعتبار سے تاریخیت کی ہم نوا ہے کہ اس کی رو سے ادب، ثقافت سے متعین ہوتا ہے۔ روایتی طور پر تاریخ غیر ادبی دستاویزوں پر زور دیتی تھی جبکہ نشانیات رموز و علائم پر زور دیتی ہے۔ جس کے تحت خود یہ دستاویزات خواہ ادبی ہوں یا غیر ادبی وجود میں آتی ہیں۔"(4)

نسیم حجازی اردو میں تاریخی ناول نگاری کے اولین ناول نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے اسلامی تاریخ کے حوالے سے آخری معرکہ "آخری چٹان"، "خاک اور خون"، "اور تلوار ٹوٹ گئی"، "داستان مجاہد" جیسے کئی ناول لکھے۔ نسیم حجازی کی تاریخی ناول نگاری کا آغاز بر صغیر میں جنم لینے والی ایک نوزائیدہ اسلامی ریاست کے ساتھ ہوا۔ یہ تاریخی ناول اسلامی تاریخ اور جذبہ حب الوطنی کے تحت لکھے گئے۔ اس وقت کی لکھی گئی تمام تر اسلامی تاریخی تناظر میں لکھی گئی تصانیف دراصل مذہبی اور قومی تشخص کو اجاگر کرنے کی ایک سعی تھیں۔ آج کی اس گلوبل ولیج نئی دنیا میں جہاں لوگوں کی رسائی بہت سی عالمی کتب اور تحقیقات سے ہوئی وہاں یہ بات واضح ہوتی کہ تاریخی ادب میں مصنفین نے کہیں نہ کہیں حقیقت سے نظریں ضرور چرائی ہیں۔

ناول "محمد بن قاسم" نسیم حجازی کے اہم تاریخی ناولوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ وہ ناول ہے جس کی بنیاد پر آج بھی مسلمانوں کی بر صغیر میں آمد کو اسی تناظر میں دیکھا جاتا ہے جس طرح سے نسیم حجازی نے دکھایا۔ یہ ناول پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کے انٹرمیڈیٹ کے نصاب کا بھی حصہ ہے۔ اس لیے اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے اور نئے اذھان اسلامی تاریخ کے اس تناظر کو کیسے دیکھتے ہیں یہ بھی اسی سے طے ہوتا ہے۔ ناول "محمد بن قاسم" کو اگر نو تاریخی تناظر

میں دیکھا جائے تو بہت سے واقعات حقیقت کی دنیا سے لاتعلق نظر آتے ہیں۔ یہ ناول دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں ایک لڑکی "ناہید" کی کہانی ہے اور یہ پہلے حصے کا مرکزی کردار ہے۔ دوسرا حصہ ناہید کی آواز پر آنے والے ایک "کمسن اور نوجوان سالار" کی کہانی پر مشتمل ہے۔ یہ نوجوان محمد بن قاسم ہے اور دوسرے حصے کا مرکزی کردار ہے۔

ناول کے پہلے حصے کی کہانی میں ناہید کی کہانی ہے۔ ناول کے مطابق ناہید ہی وہ مرکزی کردار ہے جس کی ایک آواز ہندوستان کی تاریخ بدلنے کا سبب بنتی ہے۔ پہلا حصہ "عبدالشمس" نامی ایک عرب تاجر سے شروع ہوتا ہے۔ یہ تاجر ایک عرصہ سے سراندیپ (موجودہ سری لنکا) میں مقیم ہے۔ عبدالشمس کی بیوی فوت ہو چکی ہے۔ اس کی اکلوتی بیٹی سلمٰی خوب صورت ہے اور ہر فن میں طاق ہے۔ ایک عرصے بعد وہاں ایک عرب "ابوالحسن" نامی تاجر عرب نسل کے گھوڑوں کی تجارت کی غرض سے بحری راستے سے آوارد ہوتا ہے۔ ابوالحسن سلمٰی کی بہادری اور خوب صورتی سے بہت متاثر ہوتا ہے۔ سلمٰی کیوں کہ عربی النسل بھی ہوتی ہے اسی لیے ابوالحسن اس کی محبت میں گرفتار ہوتا ہے اور بالآخر اس سے شادی کر لیتا ہے۔ ایک منھ زور عربی گھوڑے پر ابوالحسن کے منع کرنے کے باوجود سلمٰی کی سواری اور شخصیت کو کچھ اس طرح سے پیش کیا گیا ہے۔" شیخ عبداللشمس نے فخریہ انداز میں کہا:

> ”عرب کی گھوڑیوں نے ایسا گھوڑا پیدا ہی نہیں کیا جس پر سلمٰی سواری نہ کر سکے۔“(5)

ابوالحسن کی شادی کے 18 برس گزرتے ہیں۔ سلمہ کے بطن سے ایک لڑکا خالد اور ایک لڑکی ناہید پیدا ہوتے ہیں۔ ناہید کی عمر 14 برس ہے سراندیپ کا راجہ مسلمانوں سے اپنے روابط بڑھانے کے لیے ابوالحسن کو اپنا ایلچی بنا کر تحائف کے ساتھ بصرہ کی طرف روانہ کرتا ہے مگر اس کا جہاز دیبل کے بحری قزاقوں کے ہاتھوں لٹتا ہے اور ابو الحسن قید ہو جاتا ہے۔ بصرہ سے زبیر نامی ایلچی جہاز کے لٹنے اور عرب عورتوں کے سراندیپ میں بے آسرا ہونے پر انہیں لینے آتا ہے۔ زبیر جب ناہید سمیت ان عورتوں اور بچوں کو لے کر عرب کی طرف روانہ ہوتا ہے تو اسے راستے میں دیبل کے قزاق جنہیں راجہ داہر کی پشت پناہی حاصل ہوتی ہے گرفتار کر لیتے ہیں۔ لیکن ناہید کسی طرح گرفت سے بچ نکلتی ہے۔ حجاج بن یوسف کو خط لکھ کر حالات سے آگاہ کرتی ہے۔ ناول کے اس حصے کو اگر نو تاریخی حوالے

سے دیکھا جائے تو اس میں سوائے داستانوی رنگ کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ لیکن پاکستانی ،اسلامی ادب کی تصانیف کے اندر نسیم حجازی کے ناول کی بنیاد پر ناہید ہندوستان پر حملے کی بنیادی وجہ دکھائی دیتی ہے۔ در حقیقت ہندوستان پر حملے خلیفہ دوم حضرت عمر کے عہد میں شروع ہو گئے تھے۔ یہ ابتدائی حملے کے 22 ہجری میں ہوئے لیکن ناکام رہے ۔اس سلسلے میں میجر جنرل محمد اکبر خان لکھتے ہیں کہ:

"15 ہجری میں عثمان بن العاص کو کوفہ کے عامل مقرر ہوئے اور عرب تجار بمبئی اور دیبل جو سندھ میں ۔اپنی تجارت کے سلسلے میں جاتے تھے۔"(6)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیبل پر یہ حملہ اوائل اسلام میں بھی ہوا۔ صرف یہ کہ دینا کہ ناہید کی پکار پر ہندوستان کی ساری تاریخ بدل گئی یہ محض ایک افسانہ ہے۔ تاریخ کی دیگر کتب بھی یہ ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ خلفائے راشدین کے عہد میں یہ حملے ہوتے رہے ہیں۔ "فتوح البلدان" ، احمد بن یحیٰ بن جابر الشہیر بالبلاذری کی تاریخ کی ایک مستند کتاب ہے۔ اس میں فاضل مصنف رقم طراز ہیں کہ:

"آخر 38 ہجری میں حارث بن مرۃ العبدی نے علی ابن طالب سے اجازت لے کر بحثیت مطوع سرحد ہند پر حملہ کیا، فتح یاب ہوئے، کثیر غنیمت ہاتھ آئی۔ صرف لونڈی، غلام ہی اتنے تھے کہ ایک دن میں ایک ہزار تقسیم کیے گئے۔"(7)

بحری قزاقوں کے حوالے سے مذکورہ ناول میں کہا گیا ہے کہ انہیں راجہ داہر کی پشت پناہی حاصل تھی۔ لیکن تاریخی تناظر میں بحری قزاقوں کے عرب جہاز لوٹنے پر اور حجاج بن یوسف کے استفسار پر راجہ داہر کا ایک جوابی خط اس بات کی دلیل ہے کہ راجہ داہر ایک امن پسند راجہ تھا اور عربوں سے کسی صورت جنگ نہیں چاہتا تھا۔ راجہ داہر کا جوابی خط ملاحظہ کیجئے:

"سمندر کے ڈاکوؤں نے جہاز کا مال و اسباب لوٹا اور عورتوں کو قید کیا ہے۔ ان پر میرا کچھ بس نہیں چلتا اور ہندوستان میں ان سے زیادہ کوئی

قوی بھی نہیں۔ وہ میرے اقتدار کو اقتدار نہیں سمجھتے۔"(8)

حجاج بن یوسف ثقفی کا خلیفہ ولید بن عبد الملک کو بار بار خط لکھ کر ہندوستان پر حملے کے لیے اکسانہ بھی یہ ظاہر کرتا ہے کہ راجہ داہر کی طرف سے پیش قدمی نہ کی گئی۔ حجاج بن یوسف کشور کشائی اور مال غنیمت کے لئے ہندوستان کو اسلامی سلطنت میں شامل کرنا چاہتا تھا۔ ناول میں اسے ایک ہیرو بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ حجاج بن یوسف، ولید بن عبد الملک کے مسلسل انکار پر ایک خط میں لکھتا ہے کہ:

"آپ نے فرمان میں اشارہ فرمایا ہے کہ ولایت ہند ایک بعید فاصلہ پر ہے۔ لشکر اور اسباب حرب کی تیاری میں زرِ کثیر صرف ہو گا۔ اس کے متعلق میں عرض کرتا ہوں کہ ہمارے پاس سب طرح کا سامان موجود ہے، نیز جتنا روپیہ اس مہم پر خرچ ہو گا اس سے دوچند حضور کے خزانہ معمور میں داخل کرنے کو موجود ہوں۔"(9)

ناول کے دوسرے حصے میں محمد بن قاسم اور حجاج بن یوسف کی ملاقات کو ڈرامائی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ناول میں دکھایا گیا ہے کہ حجاج اپنے ہی بھتیجے کو نہیں پہچان پاتا۔ ناول کے مطابق:

"حجاج بن یوسف حیرت و استعجاب کے عالم میں اس نوعمر سپاہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد سوال کیا، تم کس قبیلے سے ہو ؟

لڑکے نے جواب دیا میں ثقفی ہوں۔

ثقفی۔۔۔؟

تمہارا نام کیا ہے ؟

محمد بن قاسم۔"(10)

اگر غیر ادبی تاریخوں پر نظر دوڑائی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن قاسم کی تربیت حجاج بن یوسف کے ہاتھوں ہوئی۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ اپنے ہی بھتیجے جس کی پرورش و تربیت اس نے خود کی، اس سے ایسے

سوالات اٹھائے۔ محمد اکبر خان رقم طراز ہیں کہ:

> ”حجاج اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کو بہت چاہتا تھا اور اپنی بصیرت نسے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ لڑکا ایک دن ضرور قابل ترین مجاہد بنے گا۔ اس نے محمد بن قاسم کو چھوٹی سی عمر میں ہی فن کا ماہر بنانے کے لیے جنگ و پیکار کے ہر مرحلے میں اپنے ہمراہ رکھا تاکہ وہ فن حرب کو اصلی روپ میں دیکھے اور سمجھے۔“(11)

ناول میں جنگی مہمات کو دیبل کے جغرافیہ کے مطابق دکھایا گیا ہے۔ راجہ داہر کا دفاعی نظام مضبوط تھا۔ دیبل کے پہاڑی علاقوں کی وجہ سے محمد بن قاسم کی فوج کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا بھی جغرافیائی اعتبار سے درست نظر آتا ہے۔ مندرجہ بالا نو تاریخی قرات سے تاریخی واقعات نگاری کے اصل حقائق کو سامنے لاتی ہے۔ ادب میں تاریخی واقعہ نگاری اور خالصتاً تاریخ دانی کا فرق نو تاریخی تناظر میں بالکل واضح نظر آتا ہے۔ اس طرح ”نو تاریخیت“ ناول محمد بن قاسم کی تاریخی حیثیت کی غلطی کڑیوں کو اور تاریخی واقعات کی مسخ شدہ صورت کو درست شکل صورت دینے کی کوشش کرتی ہیں۔

## حوالہ جات


1. مولوی سیّد احمد دہلوی، فرہنگِ آصفیہ، لاہور: اُردو سائنس بورڈ، 2010ء
2. جے ایم گن (J. M. Gann)، Historical Studies and Literary Criticism، یونیورسٹی آف وسکانسن پریس، 1985ء، ص:253
3. ناصر عباس نیر، تنقیدی اور مابعد جدید تنقید، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، س ن، ص:246
4. گوپی چند نارنگ، جدیدیت کے بعد، دہلی: ایجو کیشن پبلی کیشنز، 2005ء، ص:60
5. نسیم حجازی، محمد بن قاسم، دہلی: صدیقی اینڈ کمپنی، 1954ء، ص:17
6. میجر جنرل محمد اکبر خان، محمد بن قاسم کی مہارت فن حرب، ص:82
7. احمد بن یحیی بن جابر الشہیر بالبلاذری، فتوح الابلدان، سید ابوالخیر مودودی (مترجم)، لاہور: تخلیقات،

2010، ص560

8. عبدالرحمٰن دہلوی، محمد بن قاسم، لاہور: مطبوعہ رفاہ عامہ سٹیم پریس، س ن، ص:45
9. میجر جنرل محمد اکبر خان، محمد بن قاسم کی مہارت فن حرب، ص:86
10. نسیم حجازی، محمد بن قاسم، ص:204
11. میجر جنرل محمد اکبر خان، محمد بن قاسم کی مہارت فن حرب، ص:60

خیابان بہار ۲۰۲۳ء